

اعجاز صدیقی مرحوم

طلوع آزادی خوشیوں کے ساتھ تقسیم کا عظیم سانحہ ساتھ لائی، جب زمیں چیں بر جبیں، آسمان تخریب پر مائل، انسانیت شرمسار اور اردو زبان معتوب قرار پائی۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں یہ اعجاز صدیقی صاحب کا ہی حوصلہ اور ان کے غیر متزلزل قوت ارادی کی کارفرمائی تھی، جو انہوں نے شورش زدہ آگرہ کے وسیع و عریض مکان سے اپنے علمی ادبی ورثہ کو بمبئی لاکر ایک چھوٹے سے فلیٹ میں فروکش ہوئے۔ اور گردش لیل ونہار سے پیدا مسائل زندگی کے ساتھ ساتھ اپنے دل و جان سے عزیز ادبی جریدہ شاعر کو مشکل حالات میں ازسرنو شروع کیا اور آخری سانس تک اعلیٰ معیار کا یہ ماہنامہ جاری وساری رکھا، اور صبر و شکر سے طرح طرح کی ناقابل بیان صعوبتیں جھیلیں۔ ان کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف اردو کی خدمت تھی۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی امید، ان کی قلم تلوار سے زیادہ دھاردار اور تحریر بیباک، مشکل سے مشکل حالات میں بھی ظالم سے سمجھوتہ نہ کیا۔

مجھے پڑھنا بہت مشکل ہے لوگوں
میں اک خاموش حرف مدعا ہوں

ایک کمرے میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہنا، روزمرہ کے خانہ داری کے مسائل حل کرنا اور فکر روزگار کی الجھنوں کو سلجھانا، مضامین واداریئے لکھنا، فکر شعر و سخن میں محو ہونا، رسائل و کتابوں کے ذخیرہ کو فرش سے چھت کے درمیاں سلیقہ سے رکھنا، اور اسی قصر الادب سے ایک نامور جریدہ کے دفتری تقاضوں کو بحسن وخوبی انجام دینا، یہ صرف انہیں کے دل گردے اور مضبوط ارادوں کے مرد مجاہد کی محنت کش اور یقین محکم طبیعت کا ہی کمال تھا۔

چراغ آخر بزم وفا ہوں!
اندھیری شب میں تنہا جل رہا ہوں

اوسط قد، اکہرا بدن، شیروانی زیب تن کئے، چہرے پر سنجیدگی اور متانت، کسی سوچ میں غرق، چند کتابوں و رسائل کا وزن ہاتھ میں لئے اعجاز صدیقی صاحب اکثر آتے

جاتے نظر آتے۔ جہاں کہیں ملتے بڑھ کر ان کو سلام کرنے کی سعادت حاصل کرتا، اور وہ مسکرا کر بزرگانہ شفقت سے جواب دیتے۔ گرانٹ روڈ کے کاروباری اور سینما تھیٹروں کے بھیڑ بھاڑ کے علاقے میں ایک بڑی عمارت کی تیسری منزل پر رہتے تھے۔ شوروغل کے اس خرابے میں علم وادب کی خوبصورت محفل انہوں نے سجا رکھی تھی۔ بہت با اخلاق، متواضع اور خلیق انسان تھے، جن کی نیکی اور شرافت ان کے پاک رویہ میں جھلکتی تھی۔ والد مرحوم سے ملنے کبھی کبھی تشریف لاتے اور مجھے ان کی سنجیدہ ادبی گفتگو سننے، نشست و برخواست اور وضع داری کو قریب سے دیکھنے سننے کا شرف ۱۹۵۰ء سے کم وبیش تین دہائی تک نصیب ہوا۔ ان وقتوں جب ملک میں فرش سے عرش تک اردو کا بول بالا تھا، انقلاب ایسا آیا کہ اپنے ہی ملک کی زمیں تنگ قرار پائی، تو اردو کے ماہ و انجم سمٹ کر بمبئی میں آ گئے، جو اردو کا لا ثانی گہوارہ بنا، جس کے شاندار تاریخ ساز مشاعروں، ادبی مجلسوں اور علمی مکالموں میں شریک ہونے کا راقم کو اکثر موقعہ ملا کرتا تھا، جہاں دیکھتا تھا کہ دانشوروں اور فنکاروں کے جھرمٹ میں وہ عزت واحترام سے ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے تھے۔

اعجاز صدیقی صاحب کے بڑے بیٹے احتشام صدیقی مرحوم بیگ محمد ہائی اسکول میں پہلی یا دوسری جماعت سے میرے ہم جماعت تھے۔ جن کے ساتھ کھیلنے اور باتیں کرنے کی خوش کن یادیں آج بھی تازہ ہیں۔ ان کو بھی اپنے ادب نواز خاندان سے شعری ذوق ورثہ میں ملا تھا، نیک اور خوش طبع واقع ہوئے تھے۔ اللہ مغفرت کرے۔ جواں عمری میں ہی ۵ رفروری ۱۹۸۰ء کو سعودی عرب میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اعجاز صدیقی صاحب کی پیدائش علم و رشد کی سرزمین آگرہ میں ۱۹۱۱ء میں ایسے خانوادہ علم وادب میں ہوئی، جہاں اردو شعر وسخن کی پرواز اپنی بلندیوں کو چھو رہی تھی، اور نظیرؔ کے نغمے اور غالبؔ کی غزلیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ یہ وہ دور تھا جب ؎ ”سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے“۔ ان کے مورث اعلیٰ اورنگ زیب کے عہد حکومت میں ہندوستان آئے اور آگرہ میں بس گئے۔ والد عاشق حسین صدیقی سیمابؔ اکبر آبادی کا شمار

ہندوستان کے چوٹی کے استاد شعراء میں ہوتا تھا، جن کی پیدائش ۱۸۸۲ء میں ہوئی۔غیر منقسم ہندوستان میں نظم و نثر میں ان کی تصنیفات (جن کی تعداد کم وبیش ۱۵۰ عدد تھیں)، اور ان کے علمی کارناموں اور شعری تخلیقات نے شہرت و ناموری کی بلندیوں کو چھولیا تھا۔استاد داغ کے بعد اتنی بڑی تعداد میں شاگرد شاید ہی کسی کو نصیب ہوئے ہوں۔مثنوی مولانا روم کا منظوم اردو ترجمہ ان کا بیش قیمت کارنامہ ہے۔حضرت سیماب نے ۱۹۲۳ء میں آگرہ میں قصر الادب قائم کیا اور ۱۹۳۴ء میں نامور جریدہ ''شاعر'' کا اجراء آگرہ سے کیا۔

اعجاز صدیقی صاحب کمسنی سے ہی اچھے شاعر اور انشا پرداز مشہور ہو چلے تھے جیسے شعر و سخن ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ اور ہوش سنبھالتے ہی قصر الادب، اور ماہنامہ شاعر کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر آ گئی۔ اور ۱۹۳۴ء سے شاعر کی ادارت سنبھالی۔ ان کے بڑے بھائی منظر صدیقی مرحوم بھی ایک خوش گلو شاعر تھے اور آگرہ سے ایک ہفتہ وار نکالتے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں جب تقسیم کا سانحہ پیش آیا، آگرہ کی تباہی بھی مقدر ہوئی اور زمانے کی گردش نے آخر کار اس سرسبز و شاداب خطہ سے بساط علم و ادب سمیٹ دیا۔شمالی ہند کا یہ خوشحال خاندان، کہ مدتوں جس کا اردو شعر و ادب میں سکہ چلتا تھا، بکھر گیا، اور جب زمین تنگ ہوئی حضرت سیماب نے کراچی کی راہ لی اور ۱۹۵۱ء کو وہیں پیوند خاک ہوئے۔اعجاز صاحب نے اپنی وراثت علمی بتور کر عروس البلاد بمبئی کا رخ کیا۔

بمبئی بقول ملک زادہ منظور احمد مرحوم ''عجیب و غریب شہر ہے، اس کے بلند بہت زیادہ بلند اور پست بہت زیادہ پست ہیں۔ یہاں دن افتاں و خیزاں حیران و پریشان، مگر راتیں گاتی بجاتی اور پیتی پلاتی چلتی ہیں۔اس نے شعراء و ادبا کی ایک بھاری بھر کم کھیپ کو ادبی دنیا سے روشناس کرایا۔'' میں نے اپنے بچپن میں دیکھا کہ اہل بمبئی نے وسیع القلبی سے گریباں چاک و پریشاں حال نو وارد اردو کے پروانوں کو خوش آمدید کہا، اور ان کی پذیرائی اور دلبستگی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جلد ہی یہ شہر اردو ادب کا گہوارہ بن گیا۔ جہاں ساحرؔ، کیفیؔ، سردارؔ جعفری، خواجہ احمد عباس، منٹو، مجروح سلطان پوری، جاں نثار اختر، شکیلؔ

بدایونی، کرشن چندر، یوسف ناظم اور اعجاز صدیقی وغیرہ عظیم فنکاروں کی شعر وسخن کی محفلیں جمنے لگیں اور یہ امتیاز بمبئی کو حاصل ہوا کہ شاہکار تخلیقات اور ادبی کارنامے اسی عجیب وغریب شہر میں انجام پانے لگے، جس پر اہل بمبئی کو بجا طور پر فخر کرنے کا حق حاصل ہے۔ راقم السطور نے اپنی کم عمری میں بمبئی کے محلوں کوچوں اور پارکوں میں منعقد ہونے والے چھوٹے بڑے مشاعروں میں ان نو وارد شعراء کو پانچویں دہائی سے اپنا کلام پڑھتے دیکھا اور سنا۔ علاوہ ازیں میرے گھر کے قریب ابراہیم رحمت اللہ روڈ کے فٹپاتھ پر مکتبہ جامعہ کے سامنے ان دنوں اردو کے ان پروانوں کی روز صبح شام بھیڑ دیکھی۔ غالباً یہ جگہ ان دنوں سب کے ملنے کا مستقل پتہ اور ملاقات کا ٹھکانہ تھی۔

شاعروں اور ادیبوں کے ہر طبقہ اور ہر مکتب فکر میں اعجاز صدیقی صاحب کو عزت و محبوبیت حاصل تھی۔ نہ صرف ہندوستان، اردو دنیا کے ناموروں میں ممتاز مقام حاصل تھا اور عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی ایک نظم پر صوبائی حکومت نے انہیں پانچ ہزار کی رقم انعام دی۔ جہاں وہ ایک اچھے اور کہنہ مشق شاعر تھے وہیں اچھے نثر نگار بھی تھے۔ ۱۹۵۰ء تا ۱۹۷۰ء شہر بمبئی ترقی پسند شعراء وادباء کا اہم مرکز تھا۔ اور ترقی پسند تحریک کے ہم نواؤں کی بڑی تعداد جن میں علی سردار جعفری، کرشن چندر، وغیرہ سے ان کے خاصے گہرے تعلقات تھے۔ علاوہ ازیں ترقی پسندوں اور قدیم فکر ونظر کے شاعروں اور ادیبوں کی کشمکش میں توازن قائم رکھنے میں اعجاز صدیقی صاحب کامیاب حیثیت رکھتے تھے۔ وہ قدیم رویوں اور پرانی قدروں پر یقین کامل رکھتے تھے، اور نرم گفتار وخوش مزاج، نیز ہر مکتب فکر کے شعراء و ادباء میں مقبول ومحبوب تھے۔ نامور شاعر ماہر القادری نے ایک بار انہیں لکھا کہ آپ کے یہاں ترقی پسندوں کی بہتات نظر آرہی ہے، اعجاز صدیقی صاحب نے جواب دیا کہ ”یہاں بڑی مشکلات ونزاکتوں کا سامنا ہے، لیکن میں بحمد اللہ مسلمان ہوں“۔

ان شروع کے دنوں جب کہ حالات سازگار نہ تھے، فلمی دنیا میں بہت کشش و جاذبیت تھی، شعر وسخن میں وہ معروف ومشہور بھی بہت تھے۔ فلمی گیت لکھنے کے لئے

ضرورت مند دوڑتے رہتے، لیکن اعجاز صدیقی صاحب کے پاس فلمی گیت نگاری کے لئے وقت نہ تھا۔ ماہنامہ شاعر کے لئے میلوں پیدل چلنا، بسوں کی صعوبتیں اور ٹرینوں کی بھیڑ، نیز بساط شعر وادب کے تقدس کا لحاظ، اپنے اصولوں اور ضابطوں پر قائم رہنے، اور اپنے خاندانی ورثہ میں ملی شریف رویوں کی حفاظت انہیں عزیز تھی۔ وہ انتہائی محنتی اور جفاکش شاعر وادیب تھے اپنی ذہانت، ریاضت ومشقت اور مستقل مزاجی کی بدولت انہوں نے ماہنامہ شاعر کو ہندوستان کا باوقار اور مقبول جریدہ بنا دیا۔ اعجاز صدیقی صاحب کی یہ نظم (کرب خود کلامی) ان کی اپنی کہانی ہے: ؎

اپنے اجداد کی خدمات کا کیا ذکر کروں
ایسی خدمات تو تاریخ وطن میں کم ہیں
بھول بیٹھی ہے مگر ان کو بھی دنیائے ادب
کل مجھے بھی یہ بھلا دے
تو تعجب کیا ہے
کارناموں پہ میرے پھیر دے پانی یکسر
اور اک یہ بھی حقیقت ہے کہ
اے میرے دماغ
نہ میرے پاس وہ نظمیں ہیں نہ غزلیں ہیں نہ گیت
داد جنکی میرے ارباب نے دی ہے
دفن یہ سب ہیں رسائل کے ان انباروں میں
گھر میں جو فرش سے چھت تک ہیں لگے
یہ میرا کلبہ غم یہ میرا چھوٹا سا مکاں
یہ پلنگ اس پہ یہ تکیے یہ خطوط اور فائل
یہ میرا تخت ادب

جس پہ برسوں سے فروکش ہوں میں
ہر طرف گھر میں کتابوں کے رسائل کے ہیں ڈھیر
مسودے بند لفافوں میں پڑے رہتے ہیں
ایک میرا ہی نہیں
ان میں وہ قیمتی سرمایہ سیماب بھی ہے
جو دل و جان سے زیادہ ہے عزیز
کون اس قیمتی سرمائے کی تدوین کرے
کون اس گھر کی اذیت سے دلاتا ہے نجات
کس کو یہ فکر، اک آوارۂ خدمت کے لئے
کوئی رہنے کو ٹھکانے کا مکاں ہی مل جائے

اعجاز صدیقی صاحب مضبوط قوت ارادی کے مالک، باہمت و باحوصلہ مرد مجاہد تھے۔ اردو سے انہیں عشق تھا، ان تھک اور بے لوث علمی خدمات نے انہیں عوام وخواص میں بے پناہ عزت وتوقیر سے نوازا۔ دوران سفر اسٹیشنوں پر ان کے عقیدت مند گرم جوشی سے استقبال کرتے اور پھولوں کے ہار پہناتے۔ ان کے ہر سفر میں جریدہ شاعر کو کئی نئے خریدار بھی مل جاتے، اور بہت جلد بمبئی کے سنجیدہ طبقہ علم وادب میں ممتاز ہو گیا۔ اندرون و بیرون ملک کامیاب ادبی جریدوں کی صف میں ناموری حاصل کی اور اشاعت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ کئی خاص نمبر نکلے، اور ہندوپاک میں اس کے خریدار بہت بڑھ گئے۔ بمبئی کے خوبصورت اور وسیع افق پر ماہنامہ شاعر کی ادبی رنگ آمیزیاں اہل بمبئی کے لئے باعث فخر ادبی شاہکار بن کر چھا گئیں۔ ۱۹۶۲ء میں ماہنامہ شاعر کا جشن منایا گیا، اور اس سلسلے میں انڈوپاک مشاعرہ کا بھی اہتمام ہوا جو بہت کامیاب رہا۔ پاکستان میں بھی انہیں عزت و شہرت ملی، اور وہ جہاں جاتے ان کی پذیرائی ہوتی، اور اکثر ان کے اعزاز میں بڑے پیمانے پر محفل مشاعرہ منعقد ہوتا۔

غزلوں میں اچھا خاصہ ذخیرہ ہے وہیں نظموں میں بھی وہ کامیاب مقام کے حامل رہے۔ دو مجموعہ خوابوں کے مسیحا، اور کرب خود کلامی ۱۹۶۶ء میں طبع ہوئی۔ آزادی کے بعد اردو کی بقا کے لئے جدوجہد، شعروادب کی خاموش خدمت اور ذمہ دار وحق گو صحافی کی حیثیت سے بیباکی نے ان کو عوام وخواص میں عزت ووقار اور قدر ومنزلت دی۔ دنیائے شعروادب میں جب ان کی شہرت آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگی، حکم الٰہی آپہنچا۔ ۱۹۷۸ء میں یہ خبر دلخراش ملی کہ اعجاز صدیقی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اللہ مغفرت کرے۔

فروغ شمع نو باقی رہے گا صبح محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

اردو اپنے ایک عظیم مجاہد اور بیباک صحافی سے محروم ہوگئی، جس کے جانے سے مدتوں بزم اردو سوگوار رہی، اور کمی ہمیشہ محسوس کی جائے گی۔ آزادی کے بعد کیسے کیسے انقلابات آئے، بدلتے رتوں کی تیز وتند آندھیوں نے گو کہ ملک بھر کی سرسبز وشاداب تمدنی قدروں کی جڑوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، تاہم امیدیں مٹنے نہ پائیں اور نئی نئی کونپلیں پھوٹتی رہیں۔ آج دیار ہند میں جو پرکیف رنگ چمن باقی ہے، اور فصل گل ہم دیکھ رہے ہیں، یہ انہیں جنون آمادہ عاشقوں اور مردان حق آگاہ کی بصیرت افروز کاوشوں اور محنتوں کا نتیجہ ہے۔

مرحوم کی لائق وسعادت اطوار اولادیں یادگار ہیں، جو مرحوم کی وراثت علمی کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ فروری ۷۸ء تک کا رسالہ مرتب کر چکے تھے، جسے ان کے فرزند تاجدار احتشام نے شائع کیا۔ اور فرزندان عالی قدر کی محنت سے قصر الادب سے ماہانہ ''شاعر'' اب بھی بحمد واللہ اسی آب وتاب سے نکل رہا ہے۔ خدا کرے کہ اردو کے چراغ یوں ہی فروزاں رہیں، اور علم وادب کی خدمت ہوتی رہے۔ آگرہ جو میرؔ، نظیرؔ اکبرآبادی اور غالبؔ کا بھی وطن تھا، علم ورشد کی اسی زمین سے سیمابؔ واعجازؔ اٹھے۔ اور بقول سردار جعفری اعجاز صدیقی مرحوم اردو ادب کے صفحات پر نقش دوام چھوڑ گئے۔

☆☆☆